

قرآن میں

اسلامی فکر و ثقافت کی بنیادیں: فکر

پروفیسر ڈاکٹر انیس احمد

اقوام عالم اور عالمی تہذیبوں کو ایک دوسرے سے ممتاز کرنے والے عناصر میں فکر و ثقافت کو بنیادی مقام دیا جاتا ہے۔ چنانچہ کسی قوم یا نسل کے عادات و اطوار ہوں، اس کی عبادات ہوں، لباس ہو یا معيشت و سیاست ہو، اگر غور کیا جائے تو ہر ہر شعبے میں اس کی بنیادی فکر و ثقافت کی ایک جملک پائی جاتی ہے۔ سبھی سبب ہے کہ مرکش سے اندونیشیا اور وسط ایشیا سے شمالی امریکا اور جنوبی افریقہ تک امتوں مسلم کی پہچان اس کی ثقافت و فکر ہی کو قرار دیا جاسکتا ہے۔

دور حاضر میں جسے عالم گیریت کا دور کہا جانے لگا ہے، ایک سوال علمی اور تحقیقی سطح پر یہ اٹھایا جاتا ہے کہ عالم گیریت کے دور میں جب کوئی علاقائی ثقافت ہزارہا میل سے نظر ہونے والے نعمتوں، ڈراموں، سینیجہ اور غیر سنجیدہ گفتگوؤں کی زد میں آچکی ہے، یہ کیسے ممکن ہے کہ کسی خطے کی ثقافت دوسرے خطے کی ثقافت کے منفی یا مثبت اثرات سے محفوظ رہ سکے؟ مزید یہ کہ کیا یہ ضروری ہے کہ ہر خطے اپنی ثقافت و روایت سے وابستہ ہی رہے۔ آخر اس میں کیا حرج ہے کہ ایک اُسی چھپتی ہوئی ثقافت و فکر کو جس کے نتیجے میں یورپ و امریکا نے معاشی، عسکری اور سیاسی فوقیت حاصل کر لی ہے، ہم بھی اختیار کر کے انھی کی طرح ترقی یا فتح بن جائیں اور ہمارے ہاں بھی جلیبی کی طرح بل کھاتی شاہراہیں اور ایک چھت کے نیچے سو دکانوں والے بازار وجود میں آ جائیں۔ کیا روایت پرستی یا نقد امت ترقی کی راہ میں رکاوٹ نہیں ہے؟ اس سے آگے بڑھ کر ایک سوال یہ بھی

اٹھایا جاتا ہے کہ کیا کوئی ثقافت اسلامی بھی کہلا سکتی ہے یا درحقیقت مسلمانوں نے جب اور جہاں طبع زاد طور پر کوئی ایجاداں، مصنوعات اور اختراعات کر لیں، انھی کو اسلامی ثقافت سے تعبیر کر دیا گیا؟ گویا اسلامی ثقافت ایک خیالی نقشے سے زیادہ کوئی چیز نہیں ہے، جب کہ عملاً مختلف خطوں میں پائے جانے والے مسلمانوں نے اپنے الگ خطوں کی ضروریات و حالات کی مناسبت سے جو طور طریقے اختیار کیے انھیں اسلامی ثقافت سے تعبیر کر دیا گیا۔ ایک پہلو یہ بھی قابل غور ہے کہ کیا اسلامی ثقافت، اگر کوئی چیز اس نام کی ہے، عربی ثقافت سے مختلف کوئی چیز ہے یا وقت گزرنے کے ساتھ عربوں کے رسم و رواج اور یود و باش کوئی اسلامی ثقافت و تہذیب اور فکر قرار دے دیا گیا۔ یہ اور اس نوعیت کے بہت سے سوالات تقاضا کرتے ہیں کہ اسلامی فکر و ثقافت کی بنیادوں اور مظاہر پر ایک تنقیدی نگاہ ڈالی جائے اور اسلامی شخص و شخصیت کو قرآن کریم کی روشنی میں دیکھا جائے۔

اس تحریر کا بنیادی مقصد ان سوالات کو اٹھانا ہے جو آج نوجوانوں کے ذہنوں میں پائے جاتے ہیں۔ اس کا مقصد حتیٰ جوابات فراہم کر کے بحث کا دروازہ بند کرنا نہیں ہے، بلکہ قرآن و سنت کی روشنی میں کھلے ذہن کے ساتھ ذہنی درپیوں کو کھولنا ہے تاکہ تازہ ہوا کی مدد سے مسئلے کا اور اک اور اس پر مسلسل غور کا سلسلہ چل سکے۔ مسلسل غور و فکر قرآن کریم کی بنیادی دعوت ہے۔ اسی بنا پر وہ بار بار اپنے پڑھنے والوں کو متوجہ کرتا ہے کہ وہ کسی لمحے بھی اس عمل کو ترک نہ کریں۔ جب تک ایک بندہ اپنے رب سے اس درخواست کے ساتھ کہ وہ اسے علم و بدایت دے (رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا طَه ۚ ۲۰: ۱۱۳)، صراطِ مستقیم پر رکے (إِلَيْنَا الْحِرَاطُ الْمُسْتَقِيمُ ۖ الفاتحہ ۱: ۵)، نفس کے قتوں اور شیطان کی چالوں سے محفوظ رکے، یہ کام کرتا رہے گا۔ قرآن کریم کے معانی و مفہوم کے نئے نئے اسرار اس پر کھلتے رہیں گے اور جب وہ یہ سوچ کر بیٹھ جائے گا کہ جو کچھ بدایت ملی تھی مل چکی اس کا ذہنی اور فکری سفر جمود کا شکار ہو جائے گا۔

قرآن میں دعوت فکر

نہ اہبٰ عالم پر ایک عمومی اعتراض کیا جاتا ہے کہ وہ عقلیت، تجزیہ اور تفکر کی راہیں مسدود کر کے انہی تقلید، جذباتیت، بنیاد پرستی، شدت پسندی اور غلوکرواج دیتے ہیں اور اپنے آپ کو حتمی سمجھنے کی بنا پر علمی تحقیق، تجزیہ اور تنقید کو سخت ناپسند کرتے ہیں۔ اسلام بظاہر وہ واحد دین ہے جو

عقل، مشاہدہ، تدبیر، تجزیہ، ترکیہ اور مسلسل فکر کی دعوت دیتا ہے۔ قرآن کریم وہ واحد الہامی کتاب ہے جو انسان کو سوال الہامی اور رسالت کے حل تلاش کرنے کی دعوت دیتی ہے۔

قرآن کریم میں غور و فکر کرنے کی دعوت تقریباً ہر صفحے پر دی گئی ہے۔ فکر کے حوالے سے اس کے مختلف پہلوؤں پر ۱۹ سے زائد مقامات پر مختلف زاویوں سے انسان کو متوجہ کیا گیا ہے۔ اس کے مفہوم میں سوچنے (إِنَّهُ فَكَرٌ وَقَدَرٌ) ”اس نے سوچا اور کچھ بات بنانے کی کوشش کی۔“ المدیر ۲۷:۱۸)، تہیا اجتماعی طور پر مل کر دماغ لڑانے اور فکر کرنے (قُلْ إِنَّ رَبَّنِي يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَ يَقْبُرُ وَ لِكُنَّ أَكْفَارُ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ) ”اے نبی! ان سے کہو“ میرا رب جسے چاہتا ہے کشاہد رزق دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے نپاٹلا عطا کرتا ہے، مگر اکثر لوگ اس کی حقیقت نہیں جانتے۔ (السبا: ۳۲؛ ۳۳)، اور دنیا و آخرت کے حوالے سے فکر کرنے، منطقی انداز میں واقعات و حقائق کو مرتب کر کے غور و فکر کرنے کے لوازم پائے جاتے ہیں (يَسْتَلُونَكَ عِنَّ الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِنْمِ كَبِيرٌ وَ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَ إِنْمِهِمَا أَكْبَرٌ وَ مِنْ نَفْعِهِمَا وَ يَسْتَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلِ الْعَفْوُ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْأَيْنَتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ) ”پوچھتے ہیں: شراب اور جوے کا کیا حکم ہے؟ کہو ان دونوں چیزوں میں بڑی خرابی ہے اگرچہ ان میں لوگوں کے لیے کچھ منافع بھی ہیں، مگر ان کا گناہ ان کے فائدے سے بہت زیادہ ہے۔ پوچھتے ہیں: ہم راہ خدا میں کیا خرچ کریں؟ کہو: جو کچھ تمہاری ضرورت سے زیادہ ہو۔ اس طرح اللہ تمہارے لیے صاف صاف احکام بیان کرتا ہے، شاید کہ تم دنیا اور آخرت میں دونوں کی فکر کرو۔ (البقرہ: ۲۱۹)۔ خود قرآن کریم اپنے لیے ذکری کی اصطلاح استعمال کرتا ہے (الانعام ۶۲:۲۸) اور اپنے آپ کو تمام انسانوں کے لیے یادہ ہانی، غور و فکر پر ابھارنے والی ہدایت و نور قرار دیتا ہے۔ مختلف اقوامِ عالم کے عروج و زوال کے واقعات کی طرف اشارہ کرنے کے بعد بار بار یہ بات دہراتا ہے کہ اس کا مقصد محض تاریخی واقعات کا بیان نہیں ہے بلکہ غور و فکر کی دعوت دینا ہے۔ کذلک يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْأَيْنَتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ”اس طرح اللہ اپنی باقیں تمہارے سامنے بیان کرتا ہے، شاید کہ تم غور و فکر کرو۔“ (البقرہ: ۲۲۶:۲)

سورہ آل عمران میں فکر کے عمل کو ذکر کے ساتھ وابستہ کرتے ہوئے اسے اہل دانش کی

اہم پہچان بتایا گیا ہے (إِنْ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْخِلَافِ الْأَئِلِ وَالنَّهَارِ لَآتَيْتُ لِأَنْوَلِ الْأَلْبَابِ) ”زمین اور آسماؤں کی پیدائش میں اور رات اور دن کے باری باری سے آنے میں ان ہوش مندوگوں کے لیے بہت نشانیاں ہیں“۔ (۱۹۰:۳) گویا اہل دانش نہ تو اپنی آنکھیں اور کان بند رکھتے ہیں اور نہ دل کی آنکھ کو موند نہ دیتے ہیں۔ ایسے افراد کے لیے آسمان اور زمین میں اور خود ان کی اپنی ذات میں اللہ تعالیٰ نے بے شمار نشانیاں رکھ دی ہیں۔ اگر وہ صرف ان پر غور کر لیں اور فکر کا دامن تھامے رہیں تو بہت کم ایسے ہوں گے جو گمراہ ہوں۔

انسان کی سیہی وہ صلاحیت ہے جس کی بنا پر اسے حیوانات سے متاز کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں اور ہدایت و ربانی کے تذکرے کے بعد کہ شاید اس طرح لوگ فکر پر آمادہ ہوں، قرآن کریم ان افراد کا ذکر کرتا ہے جو جانتے بوجھتے تھلک اور غور و فکر کرنے سے بھاگتے ہیں۔ غفلت میں پڑے ہوئے ان افراد کے بارے میں قرآن یوں مخاطب ہوتا ہے کہ: لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا وَ لَهُمْ أَعْيُنٌ لَا يُبَحِّرُونَ بِهَا وَ لَهُمْ أَذْنَانٌ لَا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَئِكَ كَالْأَنْعَامُ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُولَئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ (الاعراف: ۷۴) ”ان کے پاس دل میں گمراہ وہ ان سے سوچتے نہیں، ان کے پاس آنکھیں ہیں گمراہ وہ ان سے دیکھتے نہیں، ان کے پاس کان ہیں گمراہ وہ ان سے سنتے نہیں۔ وہ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گنے گزرے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو غفلت میں کھوئے گئے ہیں“۔

انسان تھلک کے لیے جن ذرائع کو استعمال کرتا ہے ان میں عقل، قلب، ساعت و بصارت ہی علم کے حصول کے ذرائع ہیں لیکن اگر ایک شخص اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی تعمیث بصارت و ساعت کو استعمال نہ کرے اور جو کچھ آنکھ دیکھتی ہو یا دیکھ سکتی ہو، اسے نظر انداز کرتا رہے اور جو کچھ کانوں کے ذریعے قلب و دماغ تک پہنچ سکتا ہو، اس سے اپنے آپ کو بچا کر رکھے تو چھروہ اپنے من کی بھول بھلیوں ہی میں گرفتار ہے گا۔ خود ساختہ تصورات میں گم اور غور و فکر سے عاری رہنے کے سبب علم و ہدایت کے نور سے محروم ہو جائے گا۔ ایسے ہی افراد کو قرآن کریم جانوروں سے تشجیعہ دیتا ہے بلکہ ان سے بھی گیا گزر اسمجھتا ہے۔

مغربی دانش کا ایک مفروضہ یہ ہے کہ الہامی کتاب کی بیرونی سے انسان گویا عقل سے

عاری، قدامت پرست اور بنیاد پرست بن جائے گا، جب کہ قرآن کریم وہ واحد الہامی کتاب ہے جو ہر لمحے اپنے پڑھنے والوں کو غور و فکر کی دعوت دیتی ہے۔ اس دعوتی فکر میں اولاً اس نکتے پر زور دیا جاتا ہے کہ تعصبات اور خود ساختہ ذہنی تحفظات کے خول سے نکل کر ایک شخص اردو گرد کی کائنات پر غور کرتے ہوئے اپنے آپ سے یہ سوال کرے کہ کیا جو کچھ وہ دیکھ رہا ہے یہ خود اس کے اپنے ذہن کی تختیق ہے؟ یا کسی اور اس جیسے فرد یا بہت سے افراد میں اجتماعی طور پر یہ قوت ہے کہ وہ اس طرح کی کائنات، چمکتا آسمان، گرجتے بادل، کڑکتی بجلی، بلند و بالا پہاڑ، وادیاں، سبزہ زار اور بدلتے موسم، غرض ایک عالم رنگ و بوکو پیدا کر سکیں یا اس نظام ہستی کو اپنی مرضی کے مطابق چلنے پر مجبور کر سکیں یا عقل و تجربہ مطالبہ کرتا ہے کہ اس پوری کائنات کا ایک ہی خالق اور مالک جو مذہب و قوی ہو، حی و قیوم ہو، ہونا چاہیے۔ گویا انسان کو اپنا سراغ لگانے کے لیے جس کسی نکتے سے فکر کا آغاز کرنے کی دعوت دی جاتی ہے وہ فکر آخرا کارا سے حق و صداقت تک پہنچنے کے لیے ایک عقلی سفر پر لاگدیتی ہے۔

یہی وہ فکر ہے جسے ہم قرآنی اور مسلم فکر سے تعبیر کر سکتے ہیں اور جو موسوی جو ذرا رائع علم کا جہاں تک ممکن ہوا استعمال کرتے ہوئے ایک ایسا سفر اختیار کر سکتی ہے جس کا مقصد حکم فکری الحکیمیاں نہ ہوں، بلکہ اصلاح حال اور تعمیر مستقبل کے لیے نظام حیات کی تلاش ہو۔ اس پرمغزی عمل کو قرآن کریم فکر اور ذکر سے تعبیر کرتا ہے، یعنی وہ فکر جو مشاہدے، یادہ ہانی، تجزیے اور تجربے کے ذریعے انسان کو اپنی منزل کے تعین میں راہنمائی اور امداد فراہم کر سکے۔ اسی لیے علم نافع کی اصطلاح کا استعمال اس فکر کے لیے کیا جاتا ہے جو تعمیری و تحرک ہوا اور مستقبل کا شعور رکھتی ہو۔

قرآن کریم نے دنیا اور آخرت کی فکر پر بار بار اسی لیے متوجہ کیا ہے کہ فکر حکم دنیاوی معاملات تک محدود نہ ہو بلکہ انسان کو اس کی حقیقی منزل اور مقام تک کامیابی کے ساتھ لے جانے میں مددگار ہو۔ وہ اندریروں میں ٹھوکریں کھاتا نہ پھرے۔ وہ ہر گذشتہ پر نہ چل پڑے بلکہ صراطِ مستقیم پر استقامت اور صبر کے ساتھ گامزن رہے، حتیٰ کہ اپنے مقصود و مطلوب اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لیے ایسا راست اختیار کر لے جو اس کے رب کا پسندیدہ اور مقرر کردہ راست ہو۔ انسانوں کا جو گروہ اس تعمیری فکری عمل میں معروف ہوتا ہے اسے قرآن کریم قویٰ یَطْفَكُرُونَ قرار دیتا ہے (مزید ملاحظہ ہو: النحل ۱۶: ۱۱-۱۲)۔ اس تعمیری فکری عمل کو وحیِ الہمی سے ساتھ وابستہ کرتے

ہوئے قرآن کریم ان لوگوں کو جو فکر کرنے والے ہوں، یوں مخاطب کرتا ہے: وَمَا أَنْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُؤْجِنِي إِلَيْهِمْ فَسَنَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝ بِالْيَتِينَ وَالْزَّبِيرَ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتَعْتَيِنَ بِالنَّاسِ مَا نُنْذِلُ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ۝ (النحل: ۱۶-۳۳) ”اے نبی! ہم نے تم سے پہلے بھی جب کبھی رسول بھیجے ہیں آدمی ہی بھیجے ہیں جن کی طرف ہم اپنے پیغامات وہی کیا کرتے تھے۔ الہی ذکر سے پوچھ لو اگر تم لوگ خود نہیں جانتے۔ پچھلے رسولوں کو بھی، ہم نے روشن نشانیاں اور کتابتیں دے کر بھیجا تھا اور اب یہ ذکر تم پر نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں کے سامنے اُس تعلیم کی تشریع و توضیح کرتے جاؤ جو ان کے لیے اُتاری گئی ہے۔ اور تاکہ لوگ (خود بھی) غور فکر کریں (ولَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ)۔“

انسان کو یہ دعوت فکر مغض کائنات یا خود اپنے نفس کی جانب نہیں بلکہ وہی الہی کے سمجھنے کی طرف دی جاتی ہے تاکہ وہی الہی کے تمام پہلوؤں کو سمجھنے کے بعد وہ عقلی روایہ اختیار کر سکے جو اس ہدایت کا مقصود و مطلوب ہے۔ آخراً رہیں فکری عمل وہی الہی میں موجود ہدایات و اصول پر غور فکر کرنے کے نتیجے میں جدید مسائل کے حل کی طرف رہنمائی کرے گا، اور اس طرح وہی کے غیر مختصر اور مستقل وجود کے تعالیٰ سے، تغیر حالات و زمانہ سے پیدا ہونے والے مسائل کا خالٰ تلاش کیا جاسکے گا۔ اگر وہی الہی کے سمجھنے کے فکری عمل میں جمود آجائے تو مسائل کے حل کا عمل جو دراصل ترقی کا عمل ہے اپنی رفقار کھو بیٹھتا ہے اور اُمت جمود اور تقلید کا شکار ہو جاتی ہے۔ اجتہاد کیا وہی الہی اور اس کے مقدمہ کو سمجھنے کے بعد وہی کے ذریعے ملنے والی ہدایت کو جدید حالات پر منطبق کرنے کا نام ہے۔ یہ خود رائی اور اپنی ذہنی انج گوا اسلامی حل قرار دینے کا نام نہیں ہے۔ قرآن کریم فکر و ذکر کی طرف متوجہ کرتے ہوئے اپنے ہر پڑھنے والے کو اسی فکر کی دعوت دیتا ہے تاکہ اس طرح وہ اپنے روزمرہ کے معاشرتی، معاشی، سیاسی اور، شفافی مسائل کا حل تلاش کر سکے اور وہ اپنی سرگرمیوں کو فکر اسلامی کا تابع بناسکے۔ اسلامی فکر مغض عقیدے کے باریک مسائل اور غیر مرئی روحاںی مسائل کو سمجھنے کا نام نہیں ہے جسے بالعلوم الہیات یا بالاعدالطیعیات کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ زندگی کے ہر شعبے میں وہی الہی اور موجود ذرائع علم کے استعمال کے ذریعے مسائل کے حل کرنے کے عمل کا نام ہے۔ قرآن کریم کی دعوت فکر کی خاص موضوع تک محدود نہیں ہے بلکہ زندگی کے تمام پہلوؤں

کا احاطہ کرتی ہے۔ اگرچہ بعض ایسے پہلو بھی ہیں جو روزانہ مشاہدے میں تو آتے ہیں لیکن بہت کم لوگ ان پر غور کرتے ہیں، قرآن ان کی طرف متوجہ کرتا ہے اور انھیں فکری عمل کو آگے بڑھانے کا ذریعہ بتاتا ہے: **اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنْفُسَ جِهَنَّمَ مَوْتِهَا وَالْجِنَّةُ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا فَيُمُسِّكُ الْجِنَّةُ قَضَى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُؤْسِلُ الْأُخْرَى إِلَى أَجَلٍ مُّسَمٍّ إِنْ فِيْ ذَلِكَ لَا يَبْتَدِئ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ** (آل عمران: ۳۹-۴۰) ”وَهُنَّ اللَّهُمَّ ہی ہے جو موت کے وقت روحس قبض کرتا ہے اور جو بھی نہیں مرا ہے اس کی روح نیند میں قبض کر لیتا ہے۔ پھر جس پر وہ موت کا فیصلہ نافذ کرتا ہے اسے روک لیتا ہے اور دوسروں کی روحس ایک وقت مقرر کے لیے واپس بھیج دیتا ہے۔ اس میں بڑی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرنے والے ہیں۔“ ہر انسان رات اور دن کے اوقات میں حکمن کے بعد قوت حاصل کرنے اور آرام کرنے کے لیے سوتا ہے اور یہ بات اس کے ذہن میں بالعموم نہیں آتی کہ آیا سونے کے بعد جا گے گا یا نہیں۔ اس روزمرہ کے عمل کو بھی قرآن کریم فکر اور غور کرنے کے عمل سے تعبیر کرتا ہے تاکہ سونے سے قبل بھی ایک خصیص اپنا عقلی طور پر احتساب کر کے دیکھ لے کہ اگر نیند ہی میں اسے موت آگئی تو کیا اس کا نامہ اعمال ایسا ہے کہ بغیر کسی ندامت کے رب کے حضور حاضر ہو سکے۔

ایک عام انسان ہی کو نہیں بلکہ ماہرینِ طب کو بھی اس مثال کے ذریعے دعوت فکر دی جا رہی ہے کہ وہ نیند کے دوران انسانی جسم، دماغ اور دل کے عمل کرنے پر غور کریں اور تحقیق کر کے دیکھیں کہ وہ کون سی تبدیلیاں ہیں جو اس دوران انسان کا خالق اس کے جسم میں پیدا کرتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت و حاکیت کو تحقیق اور فکر کی بنیاد پر سمجھا جاسکے۔

حیات انسانی کے بعض ایسے پہلو جن پر اپنی مصروفیات کے سبب انسان توجہ نہیں دے پاتا قرآن کریم ان کی طرف بھی غور و فکر کی دعوت دیتا ہے اور یہ بعد مگرے ان نشانیوں کا ذکر کرتا ہے جو ہمارے روزمرہ کے مشاہدے میں عالمی حیثیت رکھتی ہیں اور انھیں کسی خاص سے خطے، زبان یا ثقافت تک محدود نہیں سمجھا جاسکتا۔ ان میں ایک نشانی انسان کی اقلیں پیدائش اور پھر ایک فطری جینیاتی عمل کے ذریعے ایک قطرہ سے گوشت پوست کا انسان بنایا جانا، پھر خود اسی کی نوع سے زوج کی تخلیق، پھر ان ازواج کے درمیان محبت و رحمت و مودت کا پیدا کرنا بطور ایک نشانی کے بیان

کیا گیا ہے۔ کل تک دو افراد جو بالکل اجنبی تھے ڈور دراز علاقوں میں رہتے تھے، جب ایک مرتبہ رفتہ ازدواج میں مسلک ہو جاتے ہیں تو اللہ اپنی رحمت سے انھیں ایک دوسرے سے ایک ناقابل بیان تعلق میں جوڑ دیتا ہے جو جسمانی تعلق سے بہت برتر اور اعلیٰ ہوتا ہے۔ وَ مِنْ أَنْتَهَا
أَنْ حَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَنْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَ جَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَ رَحْمَةً
إِنَّ فِي ذَلِكَ لَا يُنِيبُ لِقَوْمٍ يَتَغَفَّرُونَ (الروم ۲۱: ۳۰) ”اور اُس کی نشانیوں میں سے یہ ہے
کہ اُس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے بیویاں بنائیں تاکہ تم اُن کے پاس سکون حاصل کرو
اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کر دی،“ اسے بیان کرنے کے بعد کہا جاتا ہے: إِنَّ فِي
ذَلِكَ لَا يُنِيبُ لِقَوْمٍ يَتَغَفَّرُونَ پھر دیگر مثالیں دینے کے بعد اسی بات کو ایک دوسرے ہماریے میں
بیان کیا جاتا ہے: إِنَّ فِي ذَلِكَ لَا يُنِيبُ لِلْعَلِيجِينَ اور لِقَوْمٍ يَسْمَعُونَ اور لِقَوْمٍ يَتَقْلِفُونَ
(الروم ۲۲-۲۱: ۳۰)

قرآن کریم فکر میں حرکت پیدا کرنے کے لیے ہر صفحہ پر ساعت، عقل، بصارت، شعور
اور تفکر کی طرف متوجہ کرتے ہوئے اہل ایمان اور قرآن کریم، مطالعہ کرنے والے ہر انسان کو فکری
حکمت عملی (methodology) کو اختیار کرنے کی تعلیم دیتا ہے اور اس طرح دین میں غلو، جمود،
اندھی تقیید کا دروازہ بند کرنے اور تفکر کے ذریعے اجتہاد یا مسائلی حیات کے حل کی تعلیم و ترغیب
دیتے ہوئے دین اسلام کو دیگر مذاہب سے ممتاز و ممتاز کرتا ہے۔ مذاہب عام اور خصوصاً عیسائیت
میں عقیدہ کی بنیادی ایک ایسے تصور پر ہے جس کی عقلی توجیہ، تعبیر و تفسیر کا امکان عیسائی ائمہ کے
بقول نہیں پایا جاتا چنانچہ حضرت عیسیٰ کس طرح بیک وقت انسان بھی ہیں اور الہیت کا مظہر بھی،
اس کی کوئی توجیہ نہیں کی جاسکتی، جب کہ قرآن کریم انسان کی اولین تخلیق کی بھی اور جینیاتی عمل
کے ذریعے نسل انسانی کے فروع کی بھی توجیہ کرتا ہے اور غور و فکر کی دعوت دیتا ہے: هُوَ الَّذِي
خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلْقَةٍ ثُمَّ مُخْرِجُكُمْ طَفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوا أَشُدَّكُمْ
ثُمَّ لِتَكُونُوا شُبُّوحاً وَ مِنْكُمْ مَنْ يَتَوَفَّى مِنْ قَبْلُ وَ لِتَبْلُغُوا أَجَلًا مَسَمَّى وَ لَعَلَّكُمْ
تَعْقِلُونَ (المؤمن ۲۷: ۳۰) ”وہی تو ہے جس نے تم کوئی سے پیدا کیا، پھر نطفے سے، پھر خون
کے لوقر سے، پھر وہ تحسیں پچے کی ٹکل میں نکالتا ہے، پھر تحسیں بڑھاتا ہے تاکہ تم اپنی پوری

طااقت کو پہنچ جاؤ، پھر اور بڑھاتا ہے تا کہ تم بڑھا پے کو پہنچو۔ اور تم میں سے کوئی پہلے ہی واپس بلا لیا جاتا ہے۔ یہ سب کچھ اس لیے کیا جاتا ہے تا کہ تم اپنے مقررہ وقت تک پہنچ جاؤ، اور اس لیے کہ تم حقیقت کو سمجھو۔

اس طرح انسان کے اپنے جسم میں موجود آیات ہوں یا کائنات میں پہلے ہوئے شواہد یا پھر حضرت آدم اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کی پیدائش، ہر معاملے میں قرآن کریم نظر و تدبیر کی دعوت دیتے ہوئے عقلی دلائل کے ذریعے انسان کے ذہن میں اٹھنے والے سوالات کا جواب فراہم کرتا ہے۔ گویا ایک انسان جس قدر قرآن کریم سے قریب آئے گا اور اس کی تعلیمات پر غور و فکر کرنے کے ساتھ شدت سے عمل پیرا ہو گا، اسی قدر اس میں فکر کا مادہ ترقی کرے گا اور وہ اپنی ذات، کائنات اور خالق کائنات کے درمیان تعلق کو عقلی بنیادوں پر سمجھنے اور نتیجتاً اپنے معاشری، سیاسی، معاشرتی، ثقافتی معاملات میں اپنے لیے صحیح راستہ اور طریق عمل تلاش کرنے میں کامیاب ہو سکے گا۔

فکرِ اسلامی ان ابتدائی معروضات کی روشنی میں ایک ایسا شعوری عمل ہے جو وحی الہی کی راہ نمائی میں اور اس کی پیروی کرتے ہوئے زندگی کے معاملات پر تحقیقی نگاہ کے ساتھ بصیرت، عبرت اور تغیریات کے لیے اختیار کیا جائے۔ یہ محسوس خسوس پرمنی تجربی فکر کا نام نہیں ہے بلکہ اس فکر کا نام ہے جو الہامی ہدایت اور انسانی عقل، وجود اور تجربے کے عمل اور تعامل (inter-active) سے وجود میں آتی ہے جس میں صحت فکر کی کسوٹی قرآن و سنت ہیں لیکن اس کے ساتھ قرآن و سنت کے احکام، مقاصد شریعت اور اصولی اور منصوص ہدایات کی روشنی میں حالات، احوال اور انسانی زندگی کے تمام احوال و ظروف کی صورت گردی کی کوششوں سے عبارت ہے۔ اس فکر میں تغیری اور اصلاحی پہلو یک جان اور غالب نظر آتے ہیں۔ یہ نفس انسانی ہو، معاشرہ ہو یا معيشت، ہر ہر شبے میں کتاب کائنات اور الکتاب اور صاحب کتاب سے یک وقت اکتساب کرتے ہوئے حیات انسانی کو اس دنیا اور آخرت میں صحیح راستے پر چلانے اور اصل منزل مراد تک کامیابی کے ساتھ لے جانے کے عمل کا نام ہے۔ (جاری)